۶۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء، ص: ۴۴۰
۷۔ ایضاً، ص: ۴۷۱
۸۔ شریف احمد قریشی، ڈاکٹر، تلمیحات نظیر اکبر آبادی، نئی دہلی: علی شوبی آفسیٹ پریس، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۲۸
۹۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد دوم، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۴۷
۱۰۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۹۹
۱۱۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد دوم، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۱۴۵
۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۹۷
۱۳۔ ایضاً: ص ۱۱۱
۱۴۔ مصاحب علی صدیقی، ڈاکٹر، اردو ادب میں تلمیحات، لکھنؤ: نظامی پریس، ۱۹۹۰ء، ص: ۲۵۹
۱۵۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۲۶۴
۱۶۔ میر تقی میر، نقد میر، ترتیب و ترجمہ: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۷۷
۱۷۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد دوم، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۱۱
۱۸۔ احمد فاروقی، خواجہ، میر تقی میر حیات اور شاعری، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۵ء، ص: ۳۰۰
۱۹۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد دوم، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۲۷۲
۲۰۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خان فائق، ص: ۳۹۰

☆.....☆.....☆

محمد تقی میر کی غزل کے رجائی پہلو

میجر(ر) اعظم کمال

Major (R) Azam Kamal

Principal, Divisional Public School and College,
Dera Ghazi Khan.

Abstract:

The poetry of Meer Taqi Meer is generally called passive due to various factors of his poetry. On the other hand, as his poetry is being explored, new avenues are opening and coming forward. In this artical, his poetry is proved to be the poetry of love, affection and aesthetics which leaves not him as a poet of passivism only

اُردو ادب اور بالخصوص اردو شاعری کی تنقید میں بہت سی ایسی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں جن کی کوئی حتمی تعریف نہیں کی جا سکتی ،انھی اصطلاحوں میں ایک جمالیات کی اصطلاح ہے۔جس قدر بہت سے دانش وروں نے اس کی الگ الگ تعریفیں بیان کی ہیں اسی قدر اس کو بہتر انداز میں سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔چوں کہ جمالیاتی اقدار تہذیب وتمدن اور معاشرتی اقدار سے ماخوذ ہوتے ہیں اس لیے شعری جمالیات میں ان کا اثر واضح طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔حسن کو جمالیات کا مظہر مانا جاتا ہے۔چوں کہ حسن کا معیار ہر علاقے ،تہذیب وتمدن اور معاشرے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔حسن چوں کہ عشق کو جنم دیتا ہے۔یوں عشق کے معیارات بھی مختلف ہوتے ہیں۔عشق کائنات کا حاصل تصور کیا جاتا ہے۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حسن اور عشق ہی جمالیات کی بنیاد ہیں۔اسی لیے ہر دانش وراس کی تعریف اپنے انداز سے کرتا ہے۔لیکن ہر ایک کی توضیح و تشریح میں ایک چیز قدرِ مشترک کے طور پر سامنے آتی ہے۔وہ یہ ہے کہ جمالیات،حسن اور فلسفۂ حسن بیان کرنے اور اِن سے مُسرت وشادمانی کُشید کرنے کا نام ہے۔

جمالیات فلسفے کی ایک صنف ہے جو کسی بھی فن کے حسن اور اس کے فنِ تنقید کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے۔جمالیات کی اصطلاح پہلی بار باؤم گارٹن نے ۱۷۵۰ء میں استعمال کی۔مارٹن ہی وہ پہلا مفکر ہے جس نے فنونِ لطیفہ میں جمالیات کے تفاعل،اس کے اثر ونفوذ اور اس کے دائرہ کار کی وسعتوں اور پنہائیوں سے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی۔مارٹن نے جمالیات سے مراد علمِ حسیات لی،جس کا بنیادی مقصد حسن کی تلاش قرار دیا۔ہیگل نے حسن اور حسن کاری کے وسیلے سے اس کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔

کسی فن یا چیز کی خوبصورتی کے احساس کو جمالیات کہا جاتا ہے۔فطرت میں کوئی چیز نہ خوبصورت ہے نہ بد صورت، بلکہ اُس چیز کا وجود ہی اُس کی اصل حقیقت ہے۔اُسے دیکھ کر آپ کے اندر کونسی حِس جاگتی ہے،کونسا جذبہ اُبھرتا ہے اسی کو ہم خوبصورتی کہتے ہیں۔انسان ہر چیز کو حواس خمسہ سے محسوس کرتا ہے لیکن جمالیاتی حسن کو حواس خمسہ نہیں بلکہ انسان کی چھٹی

حس محسوس کرتی ہے۔حواس خمسہ یعنی پانچوں حسیں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں مگر چھٹی حس ہر انسان کے پاس نہیں ہوتی یا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ تر لوگوں میں اس کی کمی ہوتی ہے۔اس لیے خوبصورتی کو محسوس کرنے کا معیار ہر انسان کا الگ الگ ہوتا ہے۔اسی لیے جمالیات کا ایک نظریہ بھی ہے کہ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔اس کی شہادت کے طور پر میں سوداؔ کا ایک مشہور شعر پیش کرتا ہوں:

سوداؔ جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا(۱)

کسی چیز کی جمالیات کو محسوس کرنے کے لیے بینائی اور نظر دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔بینائی اور نظر یوں تو دونوں لفظ ملتے جلتے ہیں مگر ان میں ایک بہت باریک سا جمالیاتی فرق بھی موجود ہے۔بینائی صرف دیکھنے کی حس کے معنوں میں آتی ہے جب کہ نظر اس چیز کی قدر و قیمت کو سمجھنے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی نظر اب اس انسان کی چھٹی حس کا کام کرتی ہے جو جمالیات کو اپنے طور پر محسوس کرتی ہے۔مثلاً کئی اشخاص کسی پُر فضا پہاڑی مقام پہ کھڑے کسی منظر کو دیکھ رہے ہوں تو کسی کو اُس مقام کی ٹھنڈی اور صاف ہوا اچھی لگ رہی ہوگی تو کوئی اس مقام کے منظر سے محظوظ ہو رہا ہوگا۔کسی کو وہاں پر بچھا ہوا سبزہ اپنی طرف کھینچ رہا ہوگا اور ہم مجموعی طور پر دیکھیں تو یہ تینوں خوبیاں اِس پہاڑی مقام کی جمالیات کا حصہ ہیں۔صرف دیکھنے والے کی نظر کے زاویے کے سبب اس مقام کی جمالیات کے الگ الگ پہلو بن جاتے ہیں۔ایک خوبصورت منظر سو آدمی دیکھتے ہیں لیکن ہر دیکھنے والے پر اس کی خوبصورتی کا یکساں اثر نہیں ہوتا۔کچھ لوگ منظر کو دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں کیوں کہ منظر کی خوبصورتی کی جمالیات انہیں متاثر نہیں کرتی۔کچھ لوگ منظر کی جمالیات میں گم ہو کر مبہوت کھڑے رہ جاتے ہیں۔یہ بات کسی خوبصورت منظر تک ہی محدود نہیں، بے آب و گیاہ ریگستان، سبزے سے بے گانہ پہاڑ اور پتھر..... ہر چیز کی اپنی جمالیات ہوتی ہے۔ویسے تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی کوئی بھی چیز بدصورت نہیں، ہر چیز کا اپنا ایک جمالیاتی پہلو ہے۔کسی کو کچھ تو کسی کو کچھ انتہائی متاثر کرتا ہے۔یہ ہماری حسِ جمالیات کا اثر ہوتا ہے کہ ہم کس چیز کو کس کس پہلو اور انداز سے دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔آسان لفظوں میں ہم اسے یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی بھی چیز میں موجود حسن و دلکشی، اچھائی اور بُرائی، ترتیب و تہذیب اور شائستگی کو انسان جب اپنی چھٹی حس سے جن جذبات و کیفیات سے محسوس کرتا ہے وہ جمالیات کے زمرے میں آتے ہیں۔

مجنوں گورکھپوری کے نزدیک جمالیات ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے آپ حسن اور فنکاری کو بہتر انداز میں محسوس کر سکتے ہیں۔(۲)

جمالیات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا یہ جب بھی کہیں پائی جائے گی کسی حقیقتِ ثانیہ کی صورت میں ہوگی۔جمالیات آپ کو دنیا کی ہر چیز میں ملے گی مگر اس کا زیادہ تر تعلق شعر و ادب سے ملتا ہے۔جمالیاتی ادب، جمالیاتی اسلوب اور جمالیاتی تنقید کی اصطلاح آپ نے بارہا سنی ہوگی۔مشہور مُفکر ''سارتر'' شاعری کو فنونِ لطیفہ یعنی مصوری، موسیقی اور سنگ تراشی کی مانند قرار دیا ہے۔اور کہتا ہے کہ ان فنونِ لطیفہ کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے، تفریحِ طبع، لطف اندوزی اور فرحت و انبساط کا حصول۔

فنونِ لطیفہ میں پائی جانی والی اس غیر مرئی کشش اور حِس کو ادب کی اصطلاح میں ''جمالیات'' کا نام دیا جاتا ہے۔جمالیات کا عنصر یوں تو ادب کی تمام اصناف میں پایا جاتا ہے مگر شاعری میں جمالیاتی حسن کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دی جاتی ہے۔کسی بھی شاعر کے کلام میں جمالیاتی حسن اور جمالیاتی اسلوب کا پایا جانا ایک بڑی خوبی کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

جب ہم کسی شاعر کی شاعری کو سراہتے ہیں تو اکثر اوقات یہ تعریف محض رسمی یا تاثراتی ہوتی ہے بہت کم ایسا ہوتے ہے کہ یہ تعریف حقیقت پر مبنی ہو۔شاعری کو سراہنے کا ہمارا یہ انداز اگر واقعی علمی یا معروضی ہے تو اس کی اصل وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ اس میں کوئی خاص جمالیاتی عنصر ضرور موجود ہے۔دیکھا جائے گا کہ اس میں فکری اور فنی جامعیت کتنی ہے۔اس کا طرزِ اظہار، افادی پہلو اور اسلوب کس حد تک ذہن وفکر کو متاثر کرتے ہیں۔جذبات واحساسات کی صورت گری نقطۂ انتہا کو پہنچی ہو تو ہم بلا جھجک یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام جمالیاتی نوعیت کا ہے۔شعر میں فصاحت و بلاغت، تخیل ومحاکات، سلاست و روانی، اسلوب کی جدت وندرت، آہنگ اور خاص طور پر زبان کی صوتیات سے جمالیات وجود میں آتی ہے۔الفاظ، خیالات کا آئینہ ہوتے ہیں اور جب شاعر ان کے امتزاج سے کوئی شعر تخلیق کرتا ہے تو قاری کو اس میں جمالیاتی عکس نظر آتا ہے۔اگر ہم میر تقی میر کی شاعری کا بغور مطالعہ کریں تو یہی عکس ہمیں اِن کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔

اردو شاعری کا ذکر میر تقی میر کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔اِن کی شاعری میں کچھ ایسی دلآویز کشش ہے کہ ان کی شاعری کو پڑھ کر ہر حساس دل ان کے غم میں ڈوب جاتا ہے۔میر احساس اور جذبے کا شاعر ہے۔ان کا یہی احساس قاری پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔میر تقی میر جنہیں اہلِ علم ودانش خُدائے سخن کے نام سے بھی پہچانتے ہیں۔اردو ادب میں اُن کی عظمت کا اعتراف غالب، ناسخ، اِنشاء اور ذوق جیسے عظیم شاعروں نے بھی واضح لفظوں میں کیا ہے۔میر نے اردو غزل کو نیا رنگ وآہنگ اور منفرد لب ولہجہ عطا کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مرزا غالب جیسے قادرالکلام شاعر اور غزل کے بادشاہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:

ریختے کے تم ہی استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا(۳)

میر کی شاعری احساس کی شدّت، مشاہدے کی وسعت، تجربے کی گہرائی، سوز وگداز، غم اور تنہائی کا احساس، فکر اور رجائیت جیسی تمام خوبیوں کا مُرقع تھی۔میر کی شاعری میں عشقِ مجازی اور محبت جیسے لطیف جذبوں کی دل موہ لینے والی شاعری بھی موجود ہے۔انھی خوبیوں کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میر کی شاعری کوئی روایت نہیں بلکہ حکایت کا درجہ رکھتی ہے۔میر تقی میر کا لہجہ عوامی تھا کیوں کہ اُن کی شاعری میں زیادہ تر عوام کی بات ہوتی تھی اسی لیے تو میر ایک مقام پر خود ہی کہہ اُٹھتے ہیں:

شعر میرے ہیں خواص پسند
پر مجھے گفت گُو عوام سے ہے(۴)

میر کی ناموری کا راز اس میں ہے کہ انھوں نے شاعری کو درد اور درد کو شاعری بنا دیا ہے اور یہ کمالِ فن سوائے میرؔ کے کسی اور کے پاس نہیں ہے۔انھوں نے زندگی بھر شعر کے پردے میں غم سنایا ہے۔اُن کی شاعری درد وغم ہی سے عبارت ہے۔اُن کے ہر شعر کی بنیاد یہی درد وغم ہے۔بظاہر اُن کے کلام میں جہاں شگفتگی اور مُسرت کی جھلک نظر آتی ہے۔وہاں بھی کسی گوشے میں درد وغم کا بسیرا ہوتا ہے۔کسی جگہ اگر وہ سُرور واِنساط اور مسرت وشادمانی کی باتیں کرتے بھی ہیں تو اُن کی تہہ میں رنج والم جھلکتے نظر آتے ہیں۔

میر کا زمانہ شورشوں اور فتنہ وفساد کا زمانہ تھا۔اس میں سیاسی، سماجی، ملکی اور معاشی اعتبار سے سخت انتشار اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔مغل مرکز کمزور پڑ چکا تھا۔ہندوستان کے بہت سے صوبے خودمختاری کا اعلان کر چکے تھے۔پورا ملک ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔بیرونی حملہ آور آئے دن حملے کرتے اور عوام وخواص کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیتے۔لوگ بھوکے مرنے لگے اور دولت

لُٹ جانے کے باعث اقتصادی بدحالی کا دور شروع ہو چکا تھا۔عوام میں بے چینی، بے یقینی اور نا اُمیدی کی خوف ناک لہر دوڑ رہی تھی۔ ہر طرف ایک انجانے خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔ایسے میں جب ہر طرف نفسانفسی کا عالم تھا۔لوگوں کے پاس دو ہی راستے بچے تھے ایک اُن کا مذہبی راستہ اور دوسرا یہ کہ زندگی کی تلخیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔یہی وجہ تھی کہ اس دور میں ایک خاصی تعداد میں لوگ تصوف کی طرف لوٹ گئے اور اللہ سے لو لگا کر بیٹھ گئے۔یوں اُن کی ڈھارس بندھی اور وہ پُرسکون ہو گئے مگر ایسے میں لوگوں کی اکثریت نے زندگی کی تلخیوں کا مقابلہ کرنے کا عزم باندھا۔ اِن حالات میں جن لوگوں نے عوام کا بھرپور ساتھ دیا انھیں ہمت اور اُمید کا راستہ دکھایا وہ اُس عہد کے دانشور تھے۔جن میں خاص طور پر اُس عہد کے عظیم شعرا کرام کا کام لائقِ تحسین ہے جنھوں نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کو زندگی کے روشن پہلوؤں سے آشکار کروایا۔بلکہ اُن کی بے رنگ اور بے مزا زندگی میں رنگ بھرتے ہوئے انھیں زندگی سے لطف اندوز ہونے کا سامان مہیا کیا۔یہ کام عہدِ میر تقی میر میں، اُن کے علاوہ مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، میر سوز دہلوی، قائم چاند پوری، شاہ حاتم، شیخ قلندر بخت جرأت اور مصحفی نے خوب کیا۔انھوں نے اپنی شاعری میں سراپا نگاری، حسن و عشق، پیار محبت کے تذکرے جمالیاتی حسن اور رجائیت کے دلکش پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کچھ اس انداز میں پیش کیے کہ یہ لوگوں میں خوشی و انبساط اور لطف اندوزی کا باعث بنے۔میر تقی میر جن کی زندگی کا بیشتر حصہ رنج و الم سے عبارت ہے۔انہوں نے خاص طور پر عوام کے اس دُکھ کو محسوس کیا اور اپنی رجائی اور جمالیاتی شاعری کے ذریعے عوام کو تفریحِ طبع، لُطف اندوزی اور فرحت و انبساط کے مواقع فراہم کرتے ہوئے اُن کے دکھ درد بانٹے اور اُن کو جینے کا حوصلہ بخشا۔میر کی ایسی ہی رجائی شاعری میرے آج کے مقالے کا مرکزی نکتہ بھی ہے۔

زندگی کی تلخیوں اور رنج و الم سے چور میر تقی میر کے کلام میں حسنِ جمالیات سے بھرپور اُن کی رجائی شاعری نے جہاں لوگوں کو جینے کا حوصلہ بخشا وہیں میر نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان اتحاد و اتفاق اور بقائے باہم انسان دوستی اور قومی یک جہتی کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے اور لوگوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ انسان کو دیر و حرم کی قید سے آزاد ہو کر لوگوں کے قلوب میں راہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔کیوں کہ یہی وہ عمل ہے جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مستحسن ہے۔چناں چہ وہ کہتے ہیں:

کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ
سعی کر ٹک پہونچ کسی دل تک(۵)

ایسے ہی جذبے اور خواہش کا اظہار میر اپنے اس شعر میں یوں کرتے ہیں:

کعبے جانے سے نہیں کچھ شیخ مجھ کو اتنا شوق ہے
چال وہ بتلا کہ میں دل میں کسو کہ جا کروں(۶)

میر کے نزدیک محبت کرنے کے لیے مذہب و ملت کی کوئی قید نہیں ہے۔کیوں کہ مذہبِ عشق میں کفر اور دین میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔میر کہتے ہیں:

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہبِ عشق اختیار کیا(۷)

شاعری صرف وہ ہی آفاقی ہوتی ہے جو انسانی رواداری، اخوت، بھائی چارے، اتحاد، یگانگت اور بقائے باہمی کے

جذبے کو بیدار کرتی ہے اور انسان دوستی اور آپس میں پیار و محبت کا درس دیتی ہے۔ یوں میر نے اپنے عہد کے نا اُمید اور خوف زدہ لوگوں کے قلب و اذہان میں جینے کی رمق پیدا کرتے ہوئے انہیں زندگی کو خوشی خوشی بسر کرنے کا حوصلہ بخشا۔

اس مقالے کے موضوع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُن کے کلام میں موجود اسی سرور و انبساط، مسرت و شادمانی اور شگفتگی میں پایا جانے والا جمالیاتی حسن تلاش کرنا مقصود ہے۔ میر کی شاعری میں غوطہ زن ہونے سے اہلِ ذوق کو جمالیات ملتی ہے۔ اُن کے ہاں عشق اور محبت کے جمالیاتی تجربوں میں بارہا ایسی اُٹھان دکھائی دیتی ہے جو زبردست جمالیاتی مُسرت کا باعث بنتی ہے۔ اکثر وجد اور کیف کی عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یوں یہ شاعری رجائیت کا باعث بنتی ہے۔ دیکھئے میر کے یہ چند اشعار:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے(۸)

میر دیکھو گے رنگ نرگس کا
اب جو وہ مست خواب نکلے گا(۹)

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے(۱۰)

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو
کیا جانئے جاں ہے کہ تن ہے(۱۱)

جادو کرتے ہیں اِک نگاہ کے بیچ
ہائے رے چشمِ دلبراں کی ادا(۱۲)

میر تقی میرؔ اپنے عہد کے ادبی آہنگ اور روایات سے بخوبی واقف تھے۔ وہ کلاسیکی روایات کو اچھی طرح پہچانتے اور اُن کا احترام بھی کرتے تھے۔ وہ اس وقت کی ان تمام ادبی روایات کے امین تھے اور ان کے حسن و جمال سے بخوبی آگاہ تھے۔ اُن کی شاعری میں جو آہنگِ جمال و کمال کا دلکش احساس ملتا ہے وہ اُن کی شاعری کے جمالیاتی حسن کا ہی خاصہ ہے۔ میر کی حسیات و لمسیات کی جمالیاتی شاعری کا آہنگ ہی منفرد اور پُر لطف ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں یہ چند اشعار:

شرمندہ ترے رُخ سے ہے رُخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا(۱۳)

ہم ہوئے ، تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے(۱۴)

اُن گل رُخوں کی قامت لہکے ہے یوں ہوا میں
جس رنگ سے لچکتی پھولوں کی ڈالیاں ہیں(۱۵)

وہ نہانے لگا تو سایۂ زلف
بحر میں تو کہے کہ جال پڑا(۱۶)

اگر ہم عصرِ میر کی جمالیات کا بغور مطالعہ کریں تو یہ سچائی ہمارے سامنے آئے گی کہ دنیا کو آواز، روشنی، آہنگ، نور کے اظہار یا ظہور اور حسن و جمال کے پرچار کا اہم ذریعہ سمجھا گیا ہے اور یہی جمالیاتی فکر و نظر کی بنیادی اکائی ہے۔ جمالیاتی حسن اس بات کا بھی غماز ہے کہ حسن و عشق اور انسان اور نیچر کا رشتہ بہت مضبوط ہے اور ٹوٹنے والا نہیں۔ انسان اور فطرت، انسان اور وقت، انسان اور فضا، انسان اور خُدا، انسان اور کائنات، انسان اور انسان کا رشتہ بھی اسی طرح مضبوط اور پائیدار ہے۔ ان تمام کیفیات کی پاسداری میر کے کلام میں اپنے تمام تر جمالیاتی حسن و جمال کے ساتھ موجود ہے دیکھئے ان کے یہ چند اشعار:

گیسو و رخسارِ یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
میر یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے(۱۷)

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا(۱۸)

محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے(۱۹)

میر کے کلام میں حسن ایک آفاقی قدر کے طور پر سامنے آتا ہے۔ زندگی اور کائنات کے حسن و جمال اور مسلسل نئی صورتوں کے ساتھ وجود میں آتے جلووں کا غیر معمولی احساس بخشا گیا ہے۔ زندگی خوب صورت ہے ہر لمحہ اس کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور تخلیقِ حسن کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ میر کے نزدیک حسن کائنات، حسن حقیقی کا پرتو ہے، آئینہ ہے اور عکس ہے۔ دیکھئے میر نے کتنے خوبصورت انداز میں اپنے اس خیال کو شعری جمالیاتی پیرھن دیا ہے:

ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میر
زمین و زماں ، ہر زماں اور ہے(۲۰)

دیکھیے ایک اور شعر میر نے کتنے دلکش انداز میں اپنے تصورِ حسن کو کس حد تک کشادگی بخش دی ہے اور اپنے خیال کے کینوس کو کس خوبصورتی سے پھیلا دیا ہے:

دل کو جو خوب دیکھا تو ہُو گا مکان ہے
ہے اس مکاں میں ساری وہی لامکاں کی طرح(۲۱)

میر نے اوپر کے دونوں اشعار میں جس طرح جلال و جمال کو سمیٹ لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خاموشی اور ہُو کے عالم میں حسن کو حد درجہ محسوس بنا دیا ہے۔ نیز زندگی کے ہر لمحہ بدلتے رنگ اور آہنگ کو بھی بہت شدت سے محسوس کیا ہے۔ میر تقی میر

نے اپنے کلام میں کئی جگہ پہ احساسِ حسن میں موجود احساسِ جمال کو شدت سے محسوس کیا ہے۔اپنے ایک شعر میں وہ کہتے ہیں کہ دل جو محض ایک قطرہ ءخون کی مانند ہے۔کبھی کبھی طوفان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔وہ بھی اس حد تک کے ماہیتِ دو عالم اس میں غوطہ زن نظر آتی ہے۔دل عشق کا مرکز اور سرچشمہ ہے محض ایک قطرہ ءخون ہونے کے باوجود اس قدر توانائی کا حامل ہے کہ اکثر اوقات طوفان کا روپ دھار لیتا ہے اور کائنات کی ساری حقیقت دنگ رہ جاتی ہے۔اور اس تگ و دو میں مصروف رہتی ہے کہ وہ اس دل کی حقیقت اور سچائی کو جان سکے۔اپنے اس شعر میں میر نے دل کا ذکر اس انوکھے انداز سے کر کے عشق اور اس کی بے پایاں طاقت کا واضح اظہار کیا ہے۔دیکھئے میر کا یہ خوب صورت شعر:

ماہیتِ دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
یک قطرۂ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا(۲۲)

میر نے اپنی شاعری میں بہت سے جمالیاتی تجربات بھی کئے ہیں۔ایسے تجربوں سے میر کے رجحان،اُن کے مزاج اور شعری رویوں کا پتہ چلتا ہے۔میر کی اس جمالیاتی شاعری کا اگر آپ بغور اور گہرائی سے مطالعہ کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ یہ شاعری کس حد تک اپنے اندر جمالیاتی سچائی رکھتی ہے۔آپ میر کی ایسی شاعری کا جتنا انہاک سے مطالعہ کریں گے اتنی ہی میر کی شخصیت اور ان کی شاعری کا آہنگ آپ پر واضح ہوگا۔میر کی اس تجرباتی جمالیاتی شاعری کو پڑھنے کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہم اس خوبصورت شاعری کو صرف میر کی نمائندہ تجرباتی جمالیاتی شاعری نہیں بلکہ اردو ادب کی نمائندہ تجرباتی جمالیاتی شاعری کہیں گے۔جس نے اردو شاعری کو اعتبار بخشا ہے۔یہ تجربے اردو شاعری میں میر تقی میر کی پہچان بن گئے ہیں۔دیکھئے یہ چند اشعار:

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا یہ میر عجب دیوانہ تھا(۲۳)

اِدھر سے ابر اُٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے(۲۴)

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے(۲۵)

موقوف غمِ میر کہ شب ہو چکی ہمدم
کل رات کو یہ باقی افسانہ کہیں گے(۲۶)

جب نام تیرا لیجئے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے(۲۷)

میر تقی میر کی شاعری میں ان کی عشقیہ شاعری اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں عشقیہ کیفیتوں کو بہت ہی منفرد انداز میں بیان کرتے ہوئے انسان کے احساسات و جذبات پر فوقیت دی ہے۔اُن کی یہ شاعری

انسان کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔اُن کی شاعری سلاست، بلاغت اور چاشنی سے بھرپور سحر انگیز ہے۔اُن کی شاعری سچے جذبوں اور نازک محسوسات کی شاعری ہے اسی لیے تو وہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔اور قاری میر کی شاعری کے سحر میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ وہ خود کو ان عشقیہ کیفیات اور سرمستی کی لطافت کو اپنے باطن میں محسوس کرتا ہے۔میر کی شاعری دوسرے بہت سے شعراء کی طرح پیچ وخم کی شاعری نہیں بلکہ ان کی عشقیہ شاعری بہت حد تک فراق گورکھپوری کی رومانی شاعری سے ملتی جلتی ہے۔دیکھئے فراق گورکھپوری کے یہ دو شعر:

آنکھوں کے جھکاؤ میں ہے خلوت کی اُمنگ
سینے کے تناؤ میں پکھاوج کی ترنگ(۲۸)

ہُشیار و مست آنکھیں ہے جوبن چت چور
مستی میں شرابور خود آگاہ بدن(۲۹)

اسی مزاج اور آہنگ میں میر کے یہ اشعار دیکھتے ہیں:

کیا لطف تن چھپا ہے میرے تنگ گوش کا
اُگلا پڑے ہے جامے سے اس کا بدن تمام(۳۰)

اب کچھ مزے پر آیا شاید وہ شوخ دیدہ
اب اس کے پوست میں ہے جوں میوہ و رسیدہ(۳۱)

میر اپنی شاعری اور شخصیت میں ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔اُن کا عہد تو کیا بعد میں آنے والا وقت بھی اُن کے نقوش کو دھندلا نہ سکا۔میر کی غزل کے خزینہ عناصر اپنی جگہ ایک الگ باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔اِن کے معاصرین خصوصاً مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، قائم چاند پوری، میر سوز دہلوی، شاہ حاتم، شیخ قلندر بخش جرأت، مصحفی اور بعد ازاں آنے والے شعرا نے بھی میر کی عظمت کے گُن ہی نہیں گائے بلکہ ان کی پیروی بھی کرنے کی کوشش کی۔مگر کوئی بھی میر نہ بن سکا۔میر تقی میر کا کلام اس بات کا گواہ ہے کہ اِن کی غزل میں مفاہیم و معانی کی کئی سطحیں کارفرما ہیں۔میر کبھی کبھار اپنی غزل میں اپنے محبوبِ مجازی کا ذکر کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

جی پھٹ گیا ہے رشک سے چسپاں لباس سے
کیا تنگ جامہ لپٹا ہے اس کے بدن کے ساتھ(۳۲)

مرزا محمد رفیع سودا ایک بلند پایا قصیدہ گو شاعر ہیں۔بلکہ اگر میں یہ کہوں کے سودا قصیدہ گوئی کو آسماں کی بلندیوں تک لے گئے تو غلط نہ ہوگا یہی نہیں بلکہ انھوں نے ہجو کی بھی بنیاد ڈالی۔سودا ایک عظیم ہجو گو تھے وہ زندہ دل اور شگفتہ مزاج تھے۔وہ خود ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ مرزا جی اپنی گرم طبیعت کے لیے بھی مشہور تھے۔میر تقی میر کی طرح اُن کے ہم عصر مرزا محمد رفیع سودا کے ہاں بھی جمالیاتی شاعری کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں گو کہ سودا کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔انھوں نے اپنے کلام میں اپنی انفرادیت کا نقش کس طرح ثبت کیا۔یہاں میں سودا کے کلام میں پائے جانے والے ایک خاص پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔انہوں نے اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کے لئے جن تشبیہات و

استعارات اور تلمیحات کو اپنی شاعری میں زیادہ استعمال کیا اُن کا تعلق زیادہ تر جام وشراب اور گُل وگلشن سے ہے۔ دیکھئے سودا انھی چیزوں کو استعمال کرتے ہوئے کس خوبصورت انداز میں اپنے محبوب کا ذکر کرتے ہیں:

اندامِ گل پہ ہو تو قبا اس مزے سے چاک
جوں خوش چھوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں(۳۳)

میر سوز دہلوی ایک بے باک، طبیعت میں کسی حد تک کھلنڈرا پن، قناعت پسندی اور صوفیانہ مزاج کے مالک تھے۔ میر سوز نے اپنے محبوب کی چال ڈھال کو دیکھ کر کیا خوب کہا ہے:

یہ چال یا قیامت ، یہ حسن یا شرارا
چلتا ہے کس ٹھسک سے ٹک دیکھیو خدارا(۳۴)

خواجہ میر درد کی شاعری کا بیشتر حصہ چھوٹی بحر میں ہے۔ اُن کا کلام زیادہ تر عاشقانہ شاعری پر مشتمل ہے۔ تو ایسے میں وہ کب کسی سے پیچھے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے محبوب کی غزالی چال کو سامنے رکھتے ہوئے اُسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا، دیکھئے اُن کا حسن جمال:

پھرتے ہو سج بنائے تم اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نے کسی کی نظر کہیں(۳۵)

زبان کی پختگی کو چھوڑ کر شاہ حاتم کی شاعری میں زمانے کی ستم ظریفی، اقدار کی پامالی، تہذیب کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا دل دوز ذکر پوری شدّتِ احساس کے ساتھ موجود ہے۔ دیکھئے کس خوبصورت انداز میں شاہ حاتم نے اپنے یار کی سیاہ زلفوں کو ناگن سے تشبیہ دیتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

یہ سیاہ زلف تری جب سے مرے دل میں بسی
تب سے ناگن کی طرح جان مری من کو ڈسی (۳۶)

شیخ قلندر بخش جرأتؔ اپنے محبوب کی ظالم انگڑائی کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سُرخ و سپید رنگ پہ کھولے اگر وہ زلف
مل کر کریں بہار سپید و سیاہ و سُرخ(۳۷)

ایسے ہی کسی موقع پر مصحفی اپنے محبوب کے بارے کہتے ہیں:

ایسی نازک کمر نہیں دیکھی
ہیں تو پر اس قدر نہیں دیکھی(۳۸)

قائم چاند پوری کا نام بھی میر کے ہم عصروں میں آتا ہے۔ قائم چاند پوری کی شاعری مشاہدات کی شاعری ہے۔ اُن کے کلام میں آپ کو سوز و گداز، حسرت و یاس، معاشرتی ناانصافیوں اور بے ثباتیوں کے ساتھ ساتھ عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی بھی پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں سلاست کے ساتھ ساتھ دلکشی اور جمالیاتی حسن ملتا ہے۔ دیکھیے یہ شعر اور اُن کے جمالیاتی حسن کا مزا لیں:

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں
میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے(۳۹)

آیئے ایک اور پہلو سے میر کے کلام میں جمالیات کو دیکھتے ہیں۔ میرؔ جن کا کلام رنج والم کا مرقع ہے اُسے جب ہم میر کے دل میں موجود عشق ومحبت کی عینک سے دیکھتے ہیں تو ہمیں میر اپنے محبوب سے کچھ اس انداز میں چھیڑ خانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ محبوب کے ہونٹوں کی بات کس نازک خیالی اور جمالیاتی حسن سے مُرصع انداز میں کرتے ہیں۔ دیکھئے میر تقی میر کا یہ خوبصورت شعر:

یاقوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی گُلِ برگ
ٹک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے (۴۰)

سودا نے کس انوکھے اور خوبصورت انداز میں اپنے محبوب کے حسن کی بڑھائی بیان کی ہے:

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس رنگ میں دیکھا

میر درد دہلوی نے اپنے پیار اور عشق کی انتہا کو کس خوبصورت انداز میں اپنے محبوب پر وا کیا ہے۔ دیکھئے کیا خوبصورت اور دلکش اندازِ بیاں ہے:

اپنے ملنے سے منع مت کر
اس میں بے اختیار ہیں ہم(۴۱)

میر سوز دہلوی اپنے محبوب کے حسن پہ کچھ یوں اِتراتے نظر آتے ہیں:

کس کی مجال دیکھے اس حسنِ آفریں کو
ہر چند اُس کا جلوہ ہے عالم آشکارا(۴۲)

شاہ حاتم نے اپنے محبوب کے ناز وادا کو کیا خوب لفظوں کا پیرہن دیا ہے:

زلفوں کا بل بناتے آنکھیں چرا کے چلنا
کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں(۴۳)

شیخ قلندر بخش جرأت اپنے محبوب کی خوبصورتی کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

اُس رشکِ گل کا وصفِ نہانی میں کیا کہوں
گویا وہ برگِ گل میں دھری اک کلی سی ہے(۴۴)

اس کے ساتھ ہی آیئے ہم میر کے ان ہمعصر شعرائے کے کلام سے چند ایک جمالیات سے بھرپور رجائی عنصر کے حامل اشعار دیکھتے ہیں:

سودا:

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں(۴۵)

شاہ حاتم:

گُلشن کے بیچ آج تیرا رنگ دیکھ کر
جاتی رہی چمن سے یکا یک بہارِ گُل(۴۶)

قائم چاند پوری:

کس بات پہ کروں میں تری اعتبار ہائے
اقرار یک طرف ہے تو انکار یک طرف(۴۷)

خواجہ میر درد:

شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
پر تری شوخی کچھ عجیب ہے واہ(۴۸)

میر سوز دہلوی:

ہزاروں مار ڈالے ہیں اور ہزاروں کو جلایا ہے
تری ان انکھڑیوں کو کس نے یہ جادو سکھایا ہے(۴۹)

جرأت:

صفا و خوبیِ رخسارِ یار کیا کہیے
کہ لیں خیال سے بوسے تو لب پھسلتے ہیں(۵۰)

مصحفی:

دیکھتا ہوں مہ کامل کو تو یہ کہتا ہوں
کتنی اس سادہ سے ملتی ہے میرے یار کی شکل(۵۱)

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سودا کے ہاں کسی حد تک بے ساختگی کی کمی نظر آتی ہے۔اس کے ہاں الفاظ کو جامد منطق کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔جب کہ میر کے ہاں جدلیاتی منطق کے تحت پورا شعر ٹھوس پیکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔میر اور درد کی غزلوں میں جو دردمندی اور سوز و گداز کی کیفیت، بیان کی سادگی، لہجے کی گھلاوٹ اور جذبے کی حرارت پائی جاتی ہے۔سودا کی طبیعت میں جو طنطنہ اور اعتماد تھا اسے میر درد کے لہجے کا دھیما پن، باطن کی کسک، نا آسودگی کا احساس اور سپردگی کی کیفیت راس بھی نہیں آ سکتی تھی۔کچھ دانشوروں کے نزدیک میر ایک عشقیہ شاعر ہیں۔اور سودا اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں۔حقیقت میں دونوں بڑے شاعر ہیں دونوں کا اپنا اپنا میدان اور رنگِ سخن ہے۔باوجود اس کے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سودا کا دامن عشقیہ شاعری سے خالی ہے۔مگر یہ ہے کہ سودا کے کلام میں وہ شوزش، جلن، غنایت اور لہجے کا دھیما پن موجود نہیں ہے۔جو عام طور پر عشقیہ شاعری کی خصوصیات کہلاتی ہیں۔سودا کو اس معنی میں تو عشقیہ شاعر نہیں کہا جا سکتا جس معنی میں ہم میر کو قرار دیتے ہیں۔صداقتِ بیاں، سادگی اور جذبات میں حدت تو اس عہد کا مشترک سرمایہ تھا۔اصل چیز وہ پیرایہ بیان ہے جو صداقتِ احساس اور صداقتِ تخیل کو تابناک توانائی سے رنگین بنا دیتے ہیں۔

میر تقی میر اور اُن کے معاصرین کی جمالیاتی اور رجائی شاعری کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد ہم یہ بات با آسانی کہہ سکتے ہیں کہ میر کے ہاں اس کا رنگ بہت گہرا اور پُر اثر ہے۔اُن کی شاعری نے لوگوں کا جینے کا حوصلہ اور اُمید بخشی۔جیسا کے اوپر کہا جا چکا ہے کہ میر کی شاعری کا مرکزی جذبہ عشق ہے، جس کی مختلف کیفیات اور جاں گداز تجربات کو انھوں نے اپنی شخصیت کے سارے سوز و ساز اور التہاب کے ساتھ لفظوں میں ڈھال دیا ہے۔ایسی شاعری اُس شاعری سے بہتر ہوتی ہے جو رنگا رنگ مناظر

کو سرسری طور پر دیکھتی ہوئی گزر جاتی ہے۔ اور دلوں کو متاثر نہیں کرتی۔ اپنے عہد کے ایک قوی ادبی رجحان ایہام گوئی کو بھی میر نے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسے بھی نہیں ، ایہام بھی نہیں(۵۲)

حوالہ جات

۱۔ نذیر احمد، پروفیسر، مرزا محمد رفیع سودا تحقیقی اور تنقیدی جائزے، دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۱ء، ص:۸۴
۲۔ مجنوں گورکھپوری، تاریخِ جمالیات، علی گڑھ: انجمنِ ترقی اردو ہند، ۱۹۸۰ء، ص:۲۳۷
۳۔ شاہد ماہلی، مرتبہ: دیوانِ غالب، دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۷ء، ص:۵۳
۴۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان دوم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۳۶۷
۵۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۸۴
۶۔ ایضاً، ص:۲۹۵
۷۔ ایضاً، ص:۲۴
۸۔ ایضاً، ص:۱۵۸
۹۔ ایضاً، ص:۳۴۱
۱۰۔ ایضاً، ص:۲۰۷
۱۱۔ ایضاً، ص:۳۶۰
۱۲۔ ایضاً، ص:۲۴۸
۱۳۔ ایضاً، ص:۶
۱۴۔ ایضاً، ص:۱۷۲
۱۵۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان سوم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۴۱۲
۱۶۔ جمال حسین، قاضی، جمالیات اور اردو شاعری، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۱ء، ص:۱۴۰
۱۷۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان ششم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۶۷۶
۱۸۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، ص:۳۱
۱۹۔ ایضاً، ص:۱۲۳
۲۰۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان ششم، ص:۶۶۵
۲۱۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان سوم، ص:۴۷۸
۲۲۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، ص:۴۳
۲۳۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان پنجم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۵۴۴
۲۴۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، ص:۲۰۷

۲۵۔ ایضاً،ص:۱۵۳

۲۶۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان ششم،ص:۶۷۱

۲۷۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان اول،ص:۱۶۶

۲۸۔ شکیل الرحمٰن،فراق کی جمالیات، دہلی (بھارت):نرالی دنیا پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء،ص:۵۳

۲۹۔ ایضاً،ص:۸۴

۳۰۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم،ص:۲۸۷

۳۱۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان پنجم،ص:۵۹۹

۳۲۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان ششم،ص:۶۶۰

۳۳۔ نذیر احمد، پروفیسر،مرزا محمد رفیع سودا تحقیقی اور تنقیدی جائزے،ص:۵۵

۳۴۔ غلام حسین،مرتبہ:انتخابِ دیوانِ میر سوز لکھنؤ (بھارت):اردو اکادمی،۱۹۸۳ء،ص:۱۹

۳۵۔ ثاقب صدیقی،خواجہ میر درد تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ، دہلی:غالب انسٹی ٹیوٹ،۱۹۹۳ء،ص:۲۱۸

۳۶۔ غلام حسین ساجد،ڈاکٹر،شاہ حاتم حالات وکلام،لاہور:مکتبہ خیابانِ ادب،۱۹۶۴ء،ص:۱۱۶

۳۷۔ نورالحسن نقوی،ڈاکٹر،کلیاتِ جرأت،علی گڑھ (بھارت):لیتھو پرنٹرس،۱۹۷۱ء،ص:۲۱۶

۳۸۔ نورالحسن نقوی،ڈاکٹر،انتخابِ کلام مصحفی، پٹنہ (بھارت):خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری،۲۰۰۰ء،ص:۴۵

۳۹۔ شاہد ماہلی،قائم چاند پوری حیات وخدمات، دہلی:غالب انسٹی ٹیوٹ،۲۰۱۱ء،ص:۲۵۷

۴۰۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم،ص:۱۸۱

۴۱۔ ثاقب صدیقی،خواجہ میر درد تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ،ص:۲۲۳

۴۲۔ غلام حسین،مرتبہ:انتخابِ دیوانِ میر سوز،ص:۱۹

۴۳۔ غلام حسین ساجد،ڈاکٹر،شاہ حاتم حالات وکلام،ص:۱۴۵

۴۴۔ اِقتدا حسن،ڈاکٹر، پروفیسر،کلیاتِ جرأت،جلد اول،لاہور:مجلسِ ترقی ادب،۱۹۶۸ء،ص:۵۱۱

۴۵۔ شارب ردولوی،ڈاکٹر،مرتبہ:انتخاب غزلیاتِ سودا، دہلی:اردو اکادمی،۱۹۹۲ء،ص:۱۰۱

۴۶۔ عبدالحق، پروفیسر،قدیم دیوان حاتم،نئی دہلی (بھارت):اصیلا پریس،۲۰۰۸ء،ص:۱۸۸

۴۷۔ شاہد رضا بیدار،انتخاب قائم چاند پوری،رام پور:نیا خواب،۱۹۶۳ء،ص:۳۷

۴۸۔ عبدالباری آسی،دیوانِ اردو خواجہ میر درد،کراچی:اردو اکیڈمی،۱۹۵۱ء،ص:۶۸

۴۹۔ غلام حسین،مرتبہ:انتخابِ دیوانِ میر سوز،ص:۳۵۹

۵۰۔ نورالحسن نقوی،ڈاکٹر،کلیاتِ جراءت،ص:۳۱۴

۵۱۔ نورالحسن نقوی،ڈاکٹر،انتخابِ کلام مصحفی،ص:۲۸

۵۲۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم،ص:۲۹۳

☆.....☆.....☆